گاندھی جی کی معنویت: موجودہ تناظر میں

کے۔ کے۔ کُھلّر

C-8/8338، وسنت کنج، نئی دہلی۔110007، موبائل:26892829

جب گاندھی جی کی چتا جل رہی تھی تو ایک نامعلوم آواز دریائے جمنا کو پار کرتے ہوئے ہوا میں گونجی۔ اس گونج میں گہرائی تھی، درد تھا۔ درمندی تھی۔ وہ یہ کہتی ہوئی آگے نکل گئی کہ اب گاندھی جی صرف ہمارے ہی نہیں رہے بلکہ سارے عالم کے ہیں۔

جمنا کے کنارے پر جسے آج راج گھاٹ کہتے ہیں، دس لاکھ ماتم کنندگان موجود تھے۔ دلّی والے تو تھے ہی۔ دور دراز سے بھی لوگ آئے تھے۔ ایک عجیب قسم کا سناٹا تھا۔ ہر ماتم گزار یہ محسوس کر رہا تھا کہ جیسے اس کا کوئی اپنا کھو گیا ہے۔

ان لاکھوں لوگوں میں میں بھی ایک تھا۔ اس وقت میری عمر ۱۵ سال تھی۔ میری سمجھ میں نہ آیا کہ اس گونج کے کیا معنی ہیں، لیکن بعد میں میں نے جب گاندھی جی کو غور سے پڑھا اور اس پر ریسرچ کی تو راز کھلا کہ آزادی ہمیں کسی نے تشتری میں رکھ کر نہیں دی اور نہ ہی یہ کسی مہربان حاکم کا عطیہ تھی۔ یہ ایک ۹۰ سالہ لمبی جدوجہد تھی۔ گاندھی جی کی قیادت میں جس میں کروڑوں لوگوں نے حصّہ لیا۔ بلا امتیاز مذہب و ملّت، سیکڑوں تنظیموں نے، اداروں نے جس میں ۱۶ لاکھ لوگ شہید ہوئے۔ عورتوں نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ لاکھوں بیوائیں ہوگئیں۔ بچے یتیم ہوگئے۔ دنیا کی تاریخ میں ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ ایک نہتے انسان نے دنیا کی سب سے بڑی طاقت سے ٹکّر لی۔ ایک خوف زدہ قوم کے دل سے خوف نکال دیا۔ ایک روندی ہوئی قوم میں روح پھونک دی۔ سہمے ہوئے لوگوں کو عزت سے جینا سکھایا اور مرنا بھی، یہ اس وقت ہوا جب انگریزی بربریت اپنے عروج پر تھی۔ وہ خدا سے بھی نہیں ڈرتی تھی۔ ایک پنجابی شاعر کے الفاظ میں انگریزی راج میں خدا کی بھی موت ہوگئی۔ دیوتا بھاگ گئے، دودھ کی ندیاں سوکھ گئیں، جنگل ویران ہوگئے، سونے کی چڑیا پنجرا لے کر اُڑ گئیں۔

رب میوا تے دیوتا نس گئے
راج فرنگی دا

ان حالات میں سرکار انگلشیہ سے ٹکّر لینا کوئی آسان کام نہیں تھا اور وہ بھی عدم تشدد کے طریقے سے، ستیہ گرہ سے، سچائی کے راستے پر چل کر عوام کو احساس دلایا کہ آزادی کسے کہتے ہیں۔ آزادی کا ایک لمحہ غلامی کے سو سال سے بھی بہتر ہے اور بقول شاعر مشرق علامہ اقبال:

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بیکراں ہے زندگی
غلامی میں نہ کام آتی ہیں تقدیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

گاندھی جی میں سقراط کی قابلیت تھی سداما کی Humility نمرتا، درویشوں کی شانتی اور شکتی تھی۔ حب الوطنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ہندوستانی ہونے کا اُن کو ناز تھا۔ حالات بہت تیزی سے بدل رہے تھے۔ حکومتیں بدلتی ہیں، لیکن رعایا کبھی نہیں بدلی۔ ہندوستان کی تقسیم نے رعایا بھی بدل دی۔ ان بدلتے ہوئے حالات میں ہم پہلے سیالکوٹ سے جموں آئے اور پھر جنوری ۱۹۴۸ء میں ایک ملٹری کے ہوائی جہاز سے دلّی پہنچے۔ پالم اس وقت بھی گاؤں تھا اور آج بھی گاؤں ہے۔ جہاز نے شام ڈھلے ہمیں پالم ایئرپورٹ پر لا کر پھینک دیا۔ اُجاڑ بیابان میں کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی۔ ایک سکھ ٹرک والے کی مہربانی سے ہم یعنی میں، میری والدہ اور چار چھوٹے بھائی ٹرک میں بیٹھ گئے۔ ٹرک سبزی منڈی جا رہا تھا۔ میں نے کہا گھنٹہ گھر تک چلو، لیکن ٹرک رج (Ridge) پر ٹرک فیل ہوگیا۔ پانچ افراد کے لیے ایک کمبل تھا۔ رات سڑک پر گزری۔ کمبل میرے حصّے میں آیا۔ پھر صبح ہوئی اور ہم تانگے پر اپنی بوا کے گھر پہنچے۔ ہمیں دیکھ کر بوا کا چہرہ اُتر گیا اور ہم نے اپنے آپ کو ایک رفیوجی کیمپ میں پایا جو دہلی ریلوے اسٹیشن کے سامنے ہم جیسے رفیوجی کے لیے بنایا گیا تھا۔ جہاں آج دہلی پبلک لائبریری ہے۔

وہ دِن بھی کیا دِن تھے۔ صرف ریڈیو ہی ایک سہارا تھا۔ جہاں ریڈیو بج رہا تھا وہاں لوگوں کا گروہ تھا۔ کسی اچھی خبر کے انتظار میں، لیکن ۳۰ر جنوری شام کو گاندھی جی کی ہتیا کی خبر نے سب کو بے بس کر دیا۔

پھر اس کی تفصیل براڈ کاسٹ ہوئی۔ جب گاندھی جی اپنی روز مرّہ کی پرارتھنا کرنے کے لیے برلا ہاؤس کے اپنے کمرے سے لان میں آئے۔ جہاں سیکڑوں لوگ ان کا انتظار کر رہے تھے۔ ایک چھوٹے سے قد کا آدمی جس کا نام نتھورام گوڈسے تھا۔ یک لخت ہجوم کو چیرتا ہوا نمودار ہوا۔ گاندھی جی کی طرف بڑھا۔ ان کے پاؤں چھوئے جیب سے پستول نکالی اور گاندھی جی پر گولیاں برسائیں۔ گاندھی جی گر گئے اور وہیں شہید ہوگئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے انسانی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ ان کے آخری الفاظ تھے ''ہے رام''۔

پورے ۱۳ دِن سوگ منایا گیا۔ دلّی میں پہلی اور شاید آخری بار شراب کی دکانیں، سنیما گھر، ناچ گانے کی محفلیں ۱۳ دن بند رہیں۔ آخری رسوم الٰہ آباد سنگم میں ادا کی گئیں۔ وہاں لاکھوں لوگ موجود تھے۔

گاندھی جی کا جنم ۲/اکتوبر ۱۸۶۹ء میں پور بندر گجرات میں ہوا اور ۳۰/جنوری ۱۹۴۸ء کی شام کو وہ برلا ہاؤس، دہلی میں وہ شہید ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پور بندر میں اور اعلیٰ تعلیم لندن میں ہوئی۔ ان کے اگلے ۲۱ سال یعنی ۲۴ سال کی عمر سے ۴۵ سال تک جنوبی افریقہ میں گزرے، جہاں ۱۸۹۳ء سے لے کر ۱۹۱۴ء تک وہ بارہا برٹش بربریت کا شکار ہوئے۔ جیل گئے، لاٹھیاں کھائیں، گاڑی سے ان کا سامان باہر پھینک دیا اور دھکّے دے کر ان کو فرسٹ کلاس کا ٹکٹ ہوتے ہوئے بھی گاڑی سے نکال دیا۔ سردیوں کی ٹھٹھرتی رات انھوں نے پلیٹ فارم پر گزاری۔ ہندوستان کی جنگ آزادی اسی رات کو شروع ہوئی تھی۔ Petermeriz Barg کے ریلوے اسٹیشن سے جنوبی افریقہ کی ظالم سرکار نے گاندھی جی کو بہت کچھ سکھایا۔ اگر گورے نائی نے گاندھی جی کے بال کاٹنے سے انکار کر دیا تو گاندھی جی خود نائی بن گئے۔ اپنے آپ بال کاٹے۔ اگر گوری نرس نے کستوربا کے ہونے والے بچے کو جنم دینے سے انکار کر دیا تو گاندھی جی نے بازار میں جا کر mid-wifery کی کتاب خریدی اور خود نرس بن گئے۔ اپنے جوتے خود تیار کیے۔ اپنی میز کرسی خود بنائی ہے۔ اپنے کپڑے خود دھوئے، سوت خود کاٹا، اپنا کھانا بھی خود بنایا جب کستور بیمار ہو جاتی تھیں۔ حتیٰ کہ اپنا پاخانہ خود صاف کیا، اپنے انگریز مہمانوں کا پاخانہ بھی خود صاف کیا۔

۲/اکتوبر قومی یوم صفائی بھی ہے۔ ہفتہ بھر صفائی کی مہم ۲/اکتوبر سے شروع تھی جس کے تحت ریلوے پلیٹ فارموں، اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں، فیکٹریوں میں، ہاسپٹل میں صفائی کی جا رہی ہے۔ خاص کر بیت الخلا کی حالت سدھارنے کے آرڈر دیے گئے ہیں۔ یہ سب گاندھی جی کی تعلیمات کے زیر اثر ہو رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب وہ ۲۱ سال کے بن باس کے بعد اپنے ملک واپس لوٹے تو اپنے پرانے اسکول میں گئے۔ جہاں ہیڈ ماسٹر اور دوسرے ماسٹروں نے اسکول کے گیٹ پر ان کا خیر مقدم کیا۔ پھول مالائیں پہنائیں اور اسٹاف روم کی طرف رُخ کرنے کی اجازت مانگی، لیکن گاندھی جی نے کہا میرے Agenda پر سب سے پہلے اسکول کی Latrine ہے۔ مجھے وہاں لے چلو۔ Latrine کیا تھی کہ بیان سے باہر ہے۔ گاندھی جی نے کہا۔ مجھے ایک بڑی بالٹی پانی کی اور ایک جھاڑو درکار ہے۔ سارے اسکولی بچوں اور اسٹاف کے سامنے انھوں نے اسکول کی Latrine صاف کی۔ اساتذہ انگشتِ بدنداں اور طلبا حیران۔ بعد میں اسٹاف کو مخاطب کر کے انھوں نے تجویز دی کہ اسکول میں دو Latrine ہونی چاہئیں۔ ایک لڑکوں کے لیے اور دوسری لڑکیوں کے لیے۔ لیٹرین کو صاف کرنا اسکول کے نصاب میں شامل کیا جائے۔ آج یہ قومی تعلیمی پالیسی کا حصّہ ہیں، لیکن افسوس کہ اس پر پوری طرح سے عمل نہیں ہو رہا۔ ہزاروں والدین اپنی بچیوں (Girls) کو اس لیے اسکول نہیں بھیجتے کہ وہاں ان کے لیے کوئی Latrine نہیں ہے اور اگر ہے تو اس کی صفائی نہیں ہوتی۔ گاندھی جی کی دوسری Priority تھی ضبطِ نفس۔ گاندھی جی کا ضبطِ نفس ضرب المثل ہے۔ بہت کم لیڈر ایسا کر پائے ہیں۔ اس میں تو بڑے بڑے لیڈر فیل ہو گئے ہیں۔

گاندھی جی اپنی سوانح میں لکھتے ہیں: میری دلی خواہش تھی کہ میں اپنے خیال، قول اور عمل میں برہمچاریہ برتوں، میں یہ بھی چاہتا تھا کہ اپنے وقت کا زیادہ حصّہ ''ستیہ گرہ'' کی جدوجہد میں صرف کروں اور اس تیاری کے لیے ضبطِ نفس بہت ضروری تھا۔ اس لیے مجھے غذا کے معاملے میں اور تبدیلیاں کرنی پڑیں اور مزید اور احتیاط سے کام لینا پڑا۔ اس سے پہلے جتنی تبدیلیاں ہوئیں وہ زیادہ تر صحت کے خیال سے ہوئی تھیں، مگر اب جو تجربے کیے جانے والے تھے، ان میں مذہبی مقصد مدِّ نظر تھا۔ اب میری زندگی میں فاقے اور غذا کی احتیاط نے خاص اہمیت حاصل کر لی۔ انسان کے دل میں اکثر ہوائے نفس اور زبان کی چاٹ کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔ یہی صورت میرے ساتھ بھی تھی۔ مجھے اپنی نفسانی خواہش اور اپنے ذائقے پر قابو پانے میں بڑی دشواریاں پیش آئیں اور اب بھی میں یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں نے ان دونوں چیزوں کو مغلوب کر لیا ہے۔ میں اپنے نزدیک بہت زیادہ کھاتا ہوں۔ میرے دوست سمجھتے ہیں کہ میں ضبطِ نفس سے کام لیتا ہوں، لیکن میرا یہ خیال نہیں ہے۔ اگر میں اتنی احتیاط بھی نہ کرتا تو میری زندگی جانوروں سے بدتر ہوتی اور اب تک ٹھکانے لگ چکا ہوتا۔

بہر حال چونکہ مجھے اپنے فرائض اچھی طرح معلوم ہیں، میں نے ان سے نجات پانے کی پوری کوشش کی اور اسی کی برکت ہے کہ میں جسم کو اتنے دن گھسیٹتا رہا اور تھوڑا بہت کام کر لے گیا۔ آج لوگوں کو اپنے لفظ پر قابو نہیں رہا۔ لوگ گاندھی جی کو بھول چکے ہیں۔ ان کی معنویت کھو بیٹھے ہیں۔ ورنہ جو آج ہمارے اخلاق میں گراوٹ آئی ہے، کبھی نہ آتی تھی۔ آج نفس پرستی کے خلاف ایک مہم کی ضرورت ہے۔ دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ صرف ایک پاک دامن سماج ہی ترقی کر سکتا ہے۔ گاندھی جی ایک کامیاب معلم تھے۔

بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ جو اسکول انھوں نے جنوبی افریقہ کے فینکس فارم میں کھولا تھا، ہندوستانی بچوں کی تعلیم کے لیے اس میں انھوں نے خود تامل، اردو، گجراتی اور ہندی پڑھائی تھی۔

ان کا عقیدہ تھا کہ وہ ساری اشیا جو اسکول میں استعمال ہوتی ہیں۔ اسکول میں ہی بننی چاہئیں۔ مثلاً چاک سیاہی، قلم، دوات، اسٹول، بلیک بورڈ، ڈسٹر وغیرہ۔ دوسرے الفاظ میں یہ گاندھی جی ہی تھے جنھوں نے پیشہ ورانہ تعلیم کی بنیاد رکھی تھی۔ وہ آج نئی تعلیمی پالیسی کا اٹوٹ حصّہ ہے۔

یاد رہے کہ ملک کی دولت بینکوں، لاکروں اور تہہ خانوں میں نہیں بلکہ پرائمری اسکولوں میں ہے اور ناخواندگی کی سزا خواندگی کی برکات سے کہیں زیادہ ہے۔ گاندھی جی گیارہ بار جیل گئے۔ ہر بار انھوں نے مجرموں کو پڑھایا لکھایا۔ کل ملا کے وہ چھ سال دس مہینے جیل میں رہے۔ کئی مجرموں کی زندگی سدھاری۔ وہ کہتے تھے کہ مجرم پیدائشی نہیں ہوتے، حالات ان کو مجرم بناتے ہیں۔ ہمیں ان حالات پر قابو پانا چاہیے۔ یہ صرف تعلیم ہی کر سکتی ہے۔

یہ پوچھنے پر کہ ننھے بچے کون سی کتابیں پڑھیں، گاندھی جی نے جواب دیا۔ کتابیں تو اساتذہ کے لیے ہیں۔ چھوٹے بچے اسکول میں صرف کھیلیں گے۔ ایک اور سوال کے جواب میں انھوں نے کہا کہ شرارتی بچے کو کوئی سزا نہ دی جائے۔ سزا تو اساتذہ کو ملنی چاہیے۔ اس وقت تک جب تک بچہ سدھر نہیں جاتا، اساتذہ اپنے آپ کو خود سزا دیں۔

وہ کہتے تھے کہ لوگوں کے دلوں میں تعلیم کے بارے میں بہت غلط فہمیاں ہیں۔ والدین تعلیم کو اس طرح ناپتے ہیں جیسے زمین ناپی جاتی ہے۔ وہ تعلیمی اداروں اور اسٹاک ایکسچینج کو ایک ہی زمرے میں رکھتے ہیں۔ یہ غلط فہمیاں صرف تعلیم ہی دور کر سکتی ہے۔ تو آیئے گاندھی جی کی تعلیمات کو موجودہ تناظر میں دیکھیں کہ وہ کہاں تک معنیٰ خیز ہیں۔

میرے خوابوں کا بھارت گاندھی جی کے اپنے الفاظ میں:

''میں اس ہندوستان کی خدمت کروں گا جس میں غریب سے غریب انسان یہ محسوس کرے کہ یہ اس کا اپنا ملک ہے۔ جس کے فروغ میں اس کی شرکت ہے۔ جس کی نشو ونما میں اس کا اپنا ہاتھ ہے۔ جس کے نغمے میں اس کی بھی آواز ہے۔ ایسا بھارت جس میں کوئی اونچ نیچ نہیں ہے۔ سب برابر ہیں، جس میں کوئی ذات پات نہیں۔ سبھی حصّے دار ہیں۔ جس میں نشیلی دواؤں اور شراب کا کوئی مقام نہیں۔ عورتوں کے اختیارات وہی ہوں جو مردوں کے ہیں، جس میں کوئی بال مزدور نہ ہو۔ ہمیں اپنے گھر کے دروازے اور کھڑکیاں بند نہیں کرنا چاہئیں اور میں چاہتا ہوں کہ میرے گھر میں ہر قسم کی تند و تیز ہوائیں آئیں، لیکن میرے پاؤں نہ لڑکھڑائیں اور میں ثابت قدم رہوں۔

گاندھی جی کا عقیدہ تھا کہ عورتوں کے مقام اور مرتبے میں بنیادی تبدیلی لانے کو وسیلے کے طور پر گھر میں استعمال کرنا چاہیے۔ ماضی کی مجموعی غلط بیانیوں کو بے اثر کرنے کی غرض سے خوب سوچ سمجھ کر عورتوں کی پاسداری کرنی چاہیے۔ عورتوں کو بااختیار بنانے میں گورنمنٹ کو ایک مداخلتی کردار ادا کرنا ہوگا۔ یہ سب تب ہوگا جب ہندوستان ہوگا۔ نصابی اور درسی کتابوں کو از سر نو لکھا جائے گا۔ سماجی اداروں کو عورتوں کی ترقی کی نئی راہیں نکالنی ہوں گی۔ گاندھی جی تو یہاں تک کہہ گئے اگر ہندوستان کی تمام عورتیں آزادی کے حق میں ہیں تو میں انھوں نے آدھے گھنٹے میں آزادی دلوا سکتا ہوں۔

اقلیتوں کے بارے میں گاندھی جی کے خیالات درج فہرست ذاتوں اور درج فہرست قبائل کی تعلیم کے ہم وزن ہیں۔ تعلیمی اعتبار سے پسماندہ اور دیگر طبقے اور علاقے پر ان کی خاص نظر تھی۔ خاص کر دیہی علاقوں میں پہاڑی اور ریگستانی علاقوں اور دور دراز کے ایسے علاقے اور جزیرے جہاں تک پہنچنا آسان نہ ہو، ان کی توجہ کا خاص مرکز تھے۔ آئین میں جو گارنٹیاں اقلیتوں کو دی جائیں گی، ان پر عمل کرنا گورنمنٹ کا آزاد حکومت میں فرض اوّلین ہوگا۔ درسی کتابیں از سر نو لکھی جائیں گی، جس ملک میں اقلیت خوشحال ہیں وہ ملک ترقی یافتہ ملک ہے۔ پرائمری اسکولوں میں بچوں کی صحت کے لیے ایک ڈاکٹر ہوگا۔ کیونکہ صرف صحت مند بچہ ہی اچھا طالب علم ثابت ہوگا۔ بیمار بچہ ہمیشہ تعلیم میں پس ماندہ رہے گا۔ معذور افراد پر گاندھی جی کی خاص نظر تھی۔ ان کی تعلیم کے لیے رضا کارانہ کوشش کی ضرورت ہے۔ ان کی حوصلہ افزائی آزاد حکومت کی ذمہ داری ہوگی۔ گاندھی جی کی اسکیم میں تعلیم بالغان کو ترجیح دینا آزاد حکومت کا فرض ہوگا۔ کیونکہ تعلیم آزادی کا سرچشمہ ہے، مشعل راہ ہے۔ گاندھی جی کا عقیدہ تھا کہ ناخواندگی امن کی راہ میں چیلنج ہے۔ ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

ناخواندگی نے علم و ادب کے روشن آفتاب کو مدھم کر دیا ہے۔ آج تعلیمی ادارے لاکھوں روپے لے کر بچوں کو داخلہ دیتے ہیں، اس کی رسید نہیں دیتے، لیکن افسوس ان والدین پر ہے جو اپنا پیٹ کاٹ کر پھر بھی اپنے بچوں کو انگریزی اسکولوں میں پڑھانا چاہتے ہیں۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ جب ملک کے لیڈر اور محکمۂ تعلیم افسران بالا اپنے بچوں کو انگریزی تعلیم دیتے ہیں تاکہ وہ اعلیٰ افسر بنیں تو ہمیں کیوں روکا جا رہا ہے۔ گاندھی جی تو یہ کہتے تھے کہ ہندوستانی بچوں کے لیے انگریزی تعلیم ایک بوجھ ہے، اسے ختم ہونا چاہیے، لیکن گاندھی جی کی کسی نے نہیں سنی۔ آج تو یہ عالم ہے کہ جس تعلیم کے محکمے نے تعلیمی پالیسی بنائی تھی کہ ابتدائی تعلیم مادری زبان میں ہونی چاہیے۔ وہ بھی اپنے بچوں کو انگریزی اسکولوں میں بھیجنا چاہتے ہیں اور ملک ایک تعلیمی غلامی کی طرف بہت تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ کسی اور ملک میں ایسی تعلیمی غلامی کی مثال نہیں ملتی۔ جب بھی ہم کسی ترقی یافتہ ملک میں جاتے ہیں تو تعلیمی ذلالت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا کوئی آپ کی اپنی زبان نہیں ہے۔

گاندھی کا اقتصادی نظریہ:

گاندھی جی کسی اقتصادی اسکول، کالج یا یونیورسٹی میں نہیں گئے اور نہ ہی انھوں نے کوئی نیا اقتصادی پلان بنایا، لیکن ان کا نام دنیا کے اقتصادی ماہرین میں شمار ہوتا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر خدا کسی بھی وقت ہندوستان آئے تو وہ روٹی کے ٹکڑے کی شکل میں آئے گا۔ اگر مجھے خدا اور روٹی میں انتخاب کرنا ہے تو میں روٹی کو چنوں گا اور ویسے بھی ہندوستانیوں کو پورا یقین ہے کہ روٹی خدا ہی بھیجتا ہے۔ یہ کسی ایک فرد یا فارمولے کی فتح نہیں ہوگی۔ یہ ہندوستانی تہذیب کی فتح ہوگی۔

گاندھی جی کی امانت کی تھیوری بھی معنیٰ خیز تھی، جس سے وہ سرمایہ داری کو ختم کرنا چاہتے تھے، سرمایہ دار کو نہیں۔ سرمایہ دار اپنی ضرورت کے مطابق اپنی کمائی کا کچھ حصّہ اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ گھر کے اخراجات کے لیے دکاندار مناسب منافع اپنے پاس رکھ سکتا ہے تاکہ اس کا کاروبار چلتا رہے۔ یہ ٹرسٹی شپ کی تھیوری کافی Practical تھی، لیکن ہندوستان کی آزاد حکومت نے اسے قبول نہیں کیا۔ گاندھی جی کو پورا یقین تھا کہ جب تک دیہی اور شہری عدم مساوات کو کم نہیں کیا جاتا اور روزگار کے مواقع کو تنوع دینے اور پھیلانے کے ٹھوس اقدام نہیں کیے جاتے، اس وقت تک دیہی علاقوں کو جہاں بنیادی سہولتوں اور سماجی خدمات کا فقدان ہے۔ تربیت یافتہ اور تعلیم یافتہ نوجوانوں سے فائدہ حاصل نہیں ہو سکے گا۔ ہمیں اپنا نعرہ بدلنا ہوگا۔ ''دلّی چلو'' کے بجائے ہمارا نعرہ ہونا چاہیے۔ ''دلّی سے چلو''

گاندھی جی امن کے پجاری تھے۔ جنگ کے سخت خلاف تھے۔ وہ پہلے لیڈر تھے جنھوں نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم پھینکنے کی کڑی مخالفت کی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ ''آنکھ کے بدلے آنکھ'' کی پالیسی سے ساری دنیا اندھی ہو جائے گی۔ صرف ہندستان ہی ایک واحد ملک ہے جس نے ساری دنیا کو ایک گاؤں اور ایک خاندان سمجھ کر مختلف قوموں کے بیچ امن اور اتحاد کے لیے کام کیا ہے۔ ہندوستان کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہم نے کبھی کسی ملک پر حملہ نہیں کیا۔ ہمارا نظریہ ہمیشہ عالمی رہا ہے۔ اس نظریے کو فروغ دینا اور نوجوان نسلوں کو بین الاقوامی تعاون اور پرامن طور پر ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کی تحریک دلانا ضروری ہے۔

گاندھی جی ایک فرد نہیں تھے، ایک اصول تھے، ایک مہم تھے، ایک انوکھا انقلاب تھے۔ آج کے دور میں گاندھی جی کے اقوال اور افعال کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ آج ہمارے سامنے ہار جیت کے درمیان انتخاب نہیں کرنا ہے، بلکہ تہذیب کی بقا و فنا کا انتخاب کرنا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آج ہمارے سامنے انسانی نسل کی بقا کا مسئلہ درپیش ہے۔ گاندھی جی کے پاس ایک ایسی نظر تھی، ایک ایسا دل تھا کہ وہ کسی بھی شے کو گہرائیوں سے جان لیتا تھا، جب کہ دوسرے اس کا تصور بھی نہیں کر پاتے تھے۔ یہ کمزور انسان ممالک کی رہنمائی کرنے کی صلاحیتوں کا حامل تھا۔ آج انسانیت کے اُفق پر ایک درخشاں علامت ہے۔ گاندھی جی چاہتے تھے کہ آزادی کے بعد سرکاری افسران عوام کے خدمتگار ہوں گے نہ کہ حاکم۔ وہ گاؤں میں جا کر گاؤں والوں کے دُکھ درد میں شریک ہوں گے۔ ان کی جہالت، بیماریاں، ناخواندگی اور غریبی دور کرنے کی کوشش کریں گے۔ وزرا صرف ۵۰۰ روپے ماہنامہ تنخواہ لیں گے۔ سادہ زندگی بسر کریں گے۔ وائسرائے کا گھر جو آج راشٹرپتی بھون کہلاتا ہے، ایک بڑے سرکاری اسپتال کی شکل میں تبدیل کیا جائے گا۔ ری پبلک ہندوستان ایک ایسی جمہوریت ہوگی جس کی پہلی پریزیڈنٹ ایک ہریجن لڑکی ہوگی، لیکن بیشتر اس کے وہ اس پروگرام کو عملی جامہ پہناتے۔ انھوں نے جامِ شہادت پی لیا اور قوم کو روتا چھوڑ گئے۔

تو آیئے گاندھی جی کو دِل و جان سے خراجِ عقیدت پیش کریں اور عہد کریں کہ ہم ان کے اصولوں اور تعلیمات پر عمل کریں گے:

جب تک نہ جلیں دیپ شہیدوں کے لہو سے
کہتے ہیں کہ جنت میں چراغاں نہیں ہوگا

○○